

مطبوعات

Muslim Thought And Its Source
 ایمین خباب سید مظفر الدین صاحب ندوی ایم اے پروفیسر

اسلامیہ کالج کلکتہ۔ ضخامت ۱۶۸ صفحات۔ قیمت لکھ - ملے کا پتہ :- دی گریٹ ایسٹرن لائبریری ۱۵۱
 کالج اسکویئر۔ کلکتہ۔

یہ کتاب مغربی مصنفین کے اس دعوے کی تردید میں لکھی گئی ہے کہ مسلمانوں میں فکری نشوونما کی ابتدا یونانی عقلیات کے مطالعہ سے ہوئی اور ان کے تمام معقولات، اسی سرچشمے سے ماخوذ تھے۔ مؤلف نے اس ادعائے غلط کا ابطال کرنے کے لیے سب سے پہلے مجملہ یہ ثابت کیا ہے کہ مسلمانوں کو غور و فکر اور تحقیق و تجسس پر ابھارنے والی چیز دراصل حکمت یونان نہیں بلکہ تعلیم قرآن تھی اور اس تعلیم کے اثر سے انہوں نے مسائل حکمت پر اس وقت سوچنا شروع کر دیا تھا جب یونانی علوم کے متعلق وہ کچھ بھی نہ جانتے تھے۔ اس اجمال کے بعد مؤلف نے تفصیل کا طریق اختیار کیا ہے۔ ابتدائی فکری حرکت نے رفتہ رفتہ مسلمانوں میں جو راہیں اختیار کیں، ان میں سے وہ چار بڑی بڑی راہوں کا انتخاب کرتے ہیں۔ 'اعتزال'، 'اشعریت'، 'نصوف' اور 'حکمت یعنی فلسفہ و سائنس' پھر ان میں سے ہر ایک پر علیحدہ علیحدہ بحث کرتے ہیں۔ پہلے تین مذاہب کے متعلق انہوں نے ثابت کیا ہے کہ ان کی اصل یونانی نہیں بلکہ خالص اسلامی ہے۔ اگرچہ ان مذاہب کے متبعین نے آگے چل کر یونانی اور عجمی علوم سے استفادہ ضرور کیا، لیکن جن مسائل پر انہوں نے بحث کی وہ سب کے سب قرآن کے مطالعہ سے پیدا ہوئے تھے، اور ان کے استدلال کی بنیادی قرآن ہی پر قائم تھی۔ رہی آخری چیز تو وہ بلاشبہ دوسری قوموں سے مسلمانوں میں آئی مگر مسلمان محض دوسروں کے ترجمہ اور شائع نہ تھے، جیسا کہ مغربی مصنفین کا گمان ہے، بلکہ انہوں نے عقلیات اور طبیعیات کا جس قدر ورثہ دوسروں سے پایا اس کے

بہت زیادہ دوسروں کے لیے چھوڑا۔

یہ تمام مباحث جو اس کتاب میں بیان ہوئے ہیں اردو زبان میں اس سے پہلے بارہا آچکے ہیں مگر انگریزی میں شائد اب تک کسی نے ان کو اتنی تفصیل کے ساتھ پیش نہیں کیا تھا۔ اس لحاظ سے یقیناً مؤلف کی خدمت قابل قدر ہے لیکن ضرورت تھی کہ ان مباحث کو مولانا شبلی اور سٹس امیر علی اور ان کے عہد کے لوگوں نے جہاں چھوڑا تھا، مؤلف اس مقام سے آگے بڑھتے اور زیادہ گہری نظر سے مسلمانوں کے علوم عقلیہ کا مطالعہ کر کے دنیا کو یہ بتاتے کہ افکار انسانی کے نشو و ارتقا میں دراصل مسلمانوں کا حصہ کتنا اور کیسا ہے، اور وہ خاص اسلامی عنصر کونسا ہے جس نے فکر و نظر کے ہر گوشہ میں اپنا اثر ظاہر کیا۔ ایک مغربی مصنف (O'leary) نے اس موضوع پر ایک کتاب Arabic Thought And Its Place In History کے نام سے لکھی ہے، مگر وہ غریب خود فکر اسلامی سے نا آشنا تھا۔ اس لیے وہ اس موضوع کے ساتھ اضافات نہ کر سکا۔ یہ فرض دراصل مسلمانوں ہی کے ذمہ واجب الادا ہے اور اس سے وہی لوگ اچھی طرح سبکدوش ہو سکتے ہیں جنہوں نے علوم قدیمہ اور علوم جدیدہ دونوں کی تعلیم حاصل کی ہے۔

کتاب میں چند باتیں اصلاح طلب بھی ہیں جن پر امید ہے کہ دوسری اشاعت کے موقع پر نظر ثانی کی جائے گی۔

قرآن مجید میں جس چیز کو لفظ ”حکمت“ سے تعبیر کیا گیا ہے وہ نہ تو انگریزی لفظ (Rationalism) کی ہم معنی ہے اور نہ (Free thinking) کی۔ انیسویں صدی کے مسلمان مصنفوں نے محض اشتراک لفظی سے فائدہ اٹھا کر قرآن کی حکمت کو حکمت بمعنی جدید سے ملا دینے کی کوشش کی تھی، مگر وہ اس وقت کی بات تھی جب ہماری جدید علمی تحریک اپنے عہد طفولیت سے گزر رہی تھی۔ اب نسبتاً بلوغ کا زمانہ ہے اور ہمارے محققین کے لیے یہ مناسب نہیں کہ اپنے استدلال کی عمارت ایسی کمزور بنیادوں پر اٹھائیں۔

اعتزال کے لیے (Rationalism) اور اشعریت کے لیے (Scholasticism) کی

اصطلاحیں بھی درست نہیں۔ انگریزی پڑھنے والوں کے ذہن ان اصطلاحوں سے جن مفہومات کی طرف منتقل ہوں گے وہ اعتزال اور اشعریت کی خصوصیات سے بڑی حد تک مختلف ہیں۔ فاضل مولف نے اعتزال اور اشعریت کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس سے شبہ ہوتا ہے کہ انہوں نے خود بھی ان دونوں مذاہب کی حقیقت پر اچھی طرح غور نہیں کیا ہے، اور زیادہ تر مولانا شبلی مرحوم کی کتابوں پر اعتماد کر کے ایک رائے قائم کر لی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان سے نہ صرف اصطلاحوں کے استعمال میں غلطی ہوئی ہے، بلکہ ان کے بیان کا پڑا ہر جگہ اعتزال کی طرف جھک گیا ہے۔ وہ معتزلہ کو ”مسلمان مفکرین کا سب سے زیادہ ریشٹلٹ گروہ“ سمجھتے ہیں اور ان کے مقابلہ میں اشعریت کو ایک ارتجاعی (Reactionary) تحریک قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ معاملہ اس کے مختلف ہے۔ اعتزال ہمیشہ خام فلسفیت سے پیدا ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ اسلام کے ابتدائی دور میں جو اعتزال رونما ہوا وہ بھی دراصل خام فلسفیت ہی کا نتیجہ تھا۔ جب تک مسلمانوں میں عقلیات کا مطالعہ محض سطحی رہا اور تنقید کا مادہ پیدا نہ ہوا اس وقت تک علم کلام میں اعتزال کا اور فلسفہ و طبیعیات میں حکماء یونان کے عربیت کا دور دورہ رہا۔ مگر جب چوتھی اور پانچویں صدی میں بلوغ کا عہد آیا اور زیادہ گہری نظر رکھنے والے مفکرین پیدا ہوئے تو انہوں نے کلام اور فلسفہ اور منطق پر تنقید شروع کر دی اور ایک ایک کر کے ان غلطیوں کے پردے چاک کرنے شروع کر دیے جو ابتدائی دور کے متکلمین اور حکماء نے کی تھیں۔ اشعریت اس دور تنقید کی محض ایک ابتدائی چیز تھی اس لئے خام نظر آتی ہے۔ آگے چل کر امام غزالی امام رازی، علامہ ابن تیمیہ اور دوسرے لوگوں نے جب عقلیات اسلامی کو کمال پر پہنچایا تو اعتزال طبعی موت مر گیا اور اشعریت کی صورت بدل کر کچھ سے کچھ ہو گئی۔

مولف نے ایک طرف تو اعتزال کو ”ریشٹلزم“ کا ہم معنی قرار دیا ہے، اور دوسری طرف یہ ثابت کرنا کی کوشش کی ہے کہ ”ریشٹلزم“ کی روح خود صحابہ اور تابعین کے گردہ میں پیدا ہو چکی تھی۔ اس سے ایک شخص یہ دہوکا کھا سکتا ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین میں بھی کچھ لوگ اعتزال کی طرف میلان رکھتے تھے، حالانکہ

یہ بالکل غلط ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ کے متعلق مؤلف نے وثوق کے ساتھ لکھ دیا ہے کہ وہ معراج جسمانی کی قائل تھیں حالانکہ یہ کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں۔ ابن ہشام نے اس روایت کو محمد بن اسحاق سے لیا ہے اور محمد بن اسحاق نے اپنے ذریعہ علم کی تصریح نہیں کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے خاندان ابو بکر کے کسی شخص نے ایسا کہا تھا۔ مگر ان کا زمانہ حضرت عائشہ سے اس قدر بعید ہے کہ خاندان ابو بکر کے جس شخص نے بھی ان سے یہ روایت بیان کی ہوگی وہ بہر حال ایسا شخص نہ ہوگا جس نے ام المومنین کی صحبت پائی ہو۔ لہذا اس کے اور حضرت عائشہ کے درمیان ایک واسطہ اور پھوٹ جاتا ہے۔ پس یہ روایت ایسی ہے جس کا مالک راوی بچ سے غائب ہے اور ایک راوی مچھول ہے۔ کیا ایسی کمزور روایت کی بنا پر وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ ام المومنین کا یہی مسلک تھا؟ یہ دراصل انیسویں صدی کے معتزلہ کی خصوصیت تھی کہ وہ اپنے مسلک کی تائید میں ہر چھوٹے سے چھوٹے تنکے کا سہارا ڈھونڈتے تھے۔ چنانچہ جب انہوں نے معراج کے متعلق اپنا نظریہ پیش کیا تو یہ روایت ان کے ہاتھ لگی اور انہوں نے بہت غنیمت سمجھ کر اس کو بے لیا۔ مگر حیا کہ ہم کہہ چکے ہیں، وہ طفولیت کا زمانہ تھا بچپن کی باتیں اس وقت بھج جاتی تھیں۔ اب اس دور بلوغ میں ارباب تحقیق کو زیب نہیں دیتا کہ ایسے کمزور سہاروں پر استدلال کی بنیاد اٹھائیں۔

قانون بین الممالک [تالیف مولوی محمد حمید اللہ صاحب استاذ جامعہ عثمانیہ ضخامت ۲۰۸ صفحات قیمت

عہ ۴ روپے کا پتہ: مکتبہ ابراہیمیہ حیدرآباد دکن۔

یہ کتاب بین الاقوامی قانون یا باصطلاح مؤلف "قانون بین الممالک" پر درسی اعراض کے لیے لکھی گئی ہے۔ مؤلف کا یہ خیال صحیح نہیں کہ اردو کے لیے یہ موضوع بالکل نیا ہے۔ اس سے پہلے بھی ایک شخص بین الاقوامی قانون کے شعبہ جنگ پر تفصیل کے ساتھ لکھ چکا ہے۔